© rasailojaraid.com

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ط

اشارات

ہندوستان کی تقسیم کوئی ایسی خوش کن بات نہ تھی جسے اس ملک کے رہنے والوں نے ہنسی خوشی گوارا کیا تھا۔ یہ تقسیم ایک ناگزیر ضرورت کے تحت عمل میں لائی گئی اور اس سے اس ملک کے بسنے والوں کو مختلف قسم کے مصائب و شدائد کا سامنا کرنا پڑا تقسیم کے وقت درندگی کے بے شمار ایسے واقعات سامنے آئے کہ اگر انہیں بھیڑیوں کی طرف بھی منسوب کیا جاتے تو وہ شرم کے مارے اپنی گردنیں جھکا دیں اور ان الزامات سے اپنی براءت کا اعلان کریں۔

تقسیم کے نتیجے میں یہ پیش آنے والے حوادث کوئی غیر متوقع نہ تھے جس انسان کو بھی اللہ تعالیٰ نے معمولی سمجھ بوجھ دے رکھی تھی اور جو حالات کی رفتار کا ذرا آنکھیں کھول کر مطالعہ کر رہا تھا وہ اس حقیقت سے پوری طرح آشنا تھا کہ اس تقسیم کے لیے لوگوں کو آگ و خون کے سمندر میں سے گزرنا پڑے گا اور اس کے بعد بھائی بھائی سے جدا ہو گا، باپ اور بیٹے کے درمیان ملاپ ممکن نہ رہے گا، ماں بچوں کی جدائی میں آہ جگر سوز کھینچے گی اور بچے ماں کی شفقت سے اُس کی زندگی ہی میں محروم ہو جائیں گے۔ بہنیں اپنے بھائیوں کے چہرے دیکھنے کے لیے ترسا کریں گی۔ اور بھائی بہنوں کے فراق میں آنسو بہایا کریں گی۔ اس کے علاوہ لوگوں کو اپنے گھر بار چھوڑنے پڑیں گے اور اپنے عزیزوں اور رشتہ داروں سے سارے تعلقات عملاً ختم ہو جائیں گے۔

اس ملک کے عوام نے ان سب روح فرسا حالات کو اچھی طرح جانتے ہوئے بھی تقسیم ملک کے لیے اس بنا پر آمادگی کا اظہار کیا کہ چلیے ایک مرتبہ کی مصیبت برداشت کر لینے کے بعد تو حالات میں سکون پیدا ہو گا اور یہ آئے دن کی سر پھٹول اور باہمی کشمکش دفن ہو جائے گی۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ایک لمبے تجربے کے بعد مسلمانوں نے اسی حقیقت کو بڑی شدت کے ساتھ محسوس کیا کہ اس ملک کی اکثریت جن اجتماعی تخیلات کی پرستار ہے اور جنہیں وہ ملک پر مسلط کرنا چاہتی ہے وہ مسلمان رہتے ہوئے انہیں قبول نہیں کر سکتے۔ اس لیے بجائے آپس میں دست و گریباں ہونے کے اس مسئلہ کا بہترین حل یہ ہے کہ ہندوستان کے جن حصوں میں ہندو اکثریت میں ہیں وہ حصہ انہیں دے دیا جائے اور جن حصوں میں مسلمانوں کی تعداد زیادہ ہے اُن میں ان کی بالادستی تسلیم کر لی جائے۔ اور اس طرح دونوں قومیں اپنے اپنے حصوں میں اپنے تصورات کے مطابق اجتماعی زندگی کی تعمیر کریں۔ جن علاقوں میں ہندو اکثریت میں ہیں اور مسلمان اقلیت میں اُن حصوں میں ہندو اقلیت کے جان و مال کی حفاظت اور پاسبانی کا ذمہ اٹھائیں اور جن حصوں میں مسلمانوں کی اکثریت ہے وہاں اس مقدس فرض کو مسلمان ادا کریں۔

تقسیم کے وقت عام احساس یہی تھا کہ جس فارمولے پر ہندو اور مسلمان دونوں متفق ہو گئے ہیں وہ فارمولا بہت جلد ہی حالات کو بہتر بنا دیگا۔ دلوں کے اندر ایک دوسرے کے خلاف نفرت و حقارت کے جو جذبات موجود ہیں وہ تھوڑی مدت گزر جانے کے بعد ختم ہو جائیں گے اور انکی جگہ محبت اور آشتی کے احساسات موجزن ہوں گے اور اس طرح ماضی کی تلخیاں بھول کر دونوں قومیں مستقبل میں اپنی قومی حیثیت کو برقرار رکھتے ہوئے ایک دوسرے کے ساتھ تعاون کی راہ نکالیں گی اور یہ دونوں ممالک جن کے درمیان بہت سی چیزیں مشترک ہیں وہ ایک دوسرے کے دمساز رفیق اور مخلص مددگار ثابت ہوں گے۔

مسلمانوں نے ارضِ پاکستان میں اقلیتوں کے جان و مال کی پوری طرح حفاظت کی اور اُن کے ساتھ اس قدر فیاضانہ سلوک کیا کہ دنیا کی شاید ہی کوئی اکثریت اپنی اقلیت کے ساتھ اس قدر فیاضی کا معاملہ کر سکے۔ مغربی پاکستان میں تو غیر مسلموں کی تعداد بہت کم ہے لیکن مشرقی پاکستان میں ہندو زندگی کے سارے شعبوں پر حاوی ہیں اور توازنِ اقتدار عملاً انہیں کے ہاتھ میں ہے۔ وہ جس شخص یا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

گروہ کو آگے لانا چاہتے ہیں بڑی آسانی کے ساتھ لے آتے ہیں اور پھر اُس مہرے کو بساطِ سیاست پر اپنی منشا اور مرضی کے عین مطابق گھماتے پھرتے ہیں۔

گذشتہ پندرہ برسوں میں کبھی ایک مرتبہ بھی ہندوؤں کے خلاف کوئی جارحانہ کارروائی نہیں کی گئی، اور اگر کسی وقت اس قسم کا کوئی خطرہ محسوس ہوا تو حکومت اور عوام دونوں نے اس رجحان کو بڑی سختی کے ساتھ دبا دیا۔

مسلمان اگرچہ مذہب سے کافی حد تک بیگانہ ہو چکا ہے، وہ اپنے اندر سیرت و کردار کا وہ اعلیٰ معیار بھی نہیں رکھتا جو اُس کے آبا و اجداد رکھتے تھے۔ اس کے اندر تعصب، تنگ نظری اور خود غرضی کے جراثیم کافی مقدار میں پرورش پا چکے ہیں لیکن وہ اس گئی گذری حالت میں بھی بہر حال اس بات کو نہیں بھولا کہ اُسے دنیا میں کمزوروں اور بے کسوں کو ستانے اور ان پر دستِ ظلم دراز کرنے کے لیے نہیں بھیجا گیا ہے بلکہ ان کی حفاظت اور دادرسی کے لیے پیدا ہوا ہے۔ اس بنا پر اُس کا یہ فرض ہے کہ جن لوگوں کے جان و مال کا اُسے پاسبان بنایا گیا ہے وہ بُرے سے بُرے حالات میں بھی انہیں ہر قسم کے ظلم و ستم سے جان کی بازی لگا کر بھی بچانے کی کوشش کرے۔

ہم یہ تو نہیں کہتے کہ ہندوؤں کے ہاں شرافت اور انسانیت دوستی کے سارے چشمے سوکھ گئے ہیں لیکن ہم یہ بات بلا خوفِ تردید کہہ سکتے ہیں کہ اس قوم کی عظیم اکثریت اُن اقدار کی علمبردار نہیں رہی جو دنیا میں زندہ رہنے اور ترقی کرنے کے لیے انتہائی ضروری ہیں۔ انہوں نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ سکوں کی جھنکار، روپوں کی ریل پیل، کارخانوں کی بہتات اور مالِ تجارت کی فراوانی سے قومیں زندگی کی قوت اور توانائی حاصل کرتی ہیں اس لیے وہ انہیں بڑھانے اور ترقی دینے کے لیے ایڑی چوٹی کا زور لگا رہے ہیں لیکن وہ شاید تاریخ کے اس سبق کو یکسر بھول گئے ہیں کہ اس کائنات میں قوموں کے زندہ رہنے اور آگے بڑھنے کے لیے یہ بات بھی انتہائی ضروری ہے کہ وہ قومیں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

خونریزی، سفاکی، زیردست آزاری کے دیوتا ثابت ہونے کی بجائے مظلوموں اور بے کسوں کے لیے ڈھال ثابت ہوں۔ انسان کو انسان پر ظلم کرنے سے روکیں اور خصوصًا وہ لوگ جو اُن کے دستِ نگر ہیں اُن کی جان و مال، عزت و آبرو، اُن کے مذہب، اُن کی معاشرتی روایات اور اُن کے تہذیب و تمدن کی پوری پوری حفاظت کریں۔ خدا نے آج تک اُس قوم کو کبھی بھی پھلنے پھولنے کا موقع نہیں دیا جس کے اندر رحم اور انصاف کا جذبہ موجود نہ ہو۔ کیونکہ یہی دو جذبے ایسے ہیں جن کے تحت سوسائٹی میں نہ صرف توازن قائم ہوتا ہے بلکہ کمزوروں اور بے کسوں کو ظالموں کی ریشہ دوانیوں سے پناہ ملتی ہے اور وہ امن اور سکون کے ساتھ اپنی زندگی گزارنے کے قابل ہوتے ہیں۔ ظالم اقتدار خواہ اُس کے اندر کتنی ہی تندی اور تیزی موجود ہو، جلد ہی فنا اور برباد ہو جاتا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کی یہ سُنّت ہے کہ وہ ظالموں کو سُدھرنے اور اپنے مظالم سے باز آنے کے مواقع تو فراہم کرتا ہے لیکن وہ انہیں دیر تک لوگوں کی گردنوں پر مسلط نہیں رہنے دیتا۔ اُن کی زندگی بیتِ عنکبوت سے بھی زیادہ ناپائدار اور پانی کے بلبلے سے زیادہ غیر یقینی ہوتی ہے۔

"تاریخ پر ایک اُچٹتی ہوئی نگاہ ڈالیے اور دیکھیے کہ یہاں کتنی ظالم اور سفاک قومیں دنیا کے سینے پر اُبھریں۔ انہوں نے کس حیرت انگیز سرعت کے ساتھ قوت اور طاقت کو غلام بنایا اور پھر اُس طاقت کو اخلاقِ انسانی کے نوامیسِ عالیہ کی حفاظت پر صرف کرنے کی بجائے اُسے غریبوں اور ناداروں کو ستانے، بے بسوں کو ظلم و ستم کا تختۂ مشق بنانے کے لیے بے دریغ استعمال کیا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ طاقت جو اُن کی ترقی کا راز تھی وہی اُن کی موت اور بربادی کا ذریعہ بنی اور تاریخ کے وہی اوراق جن میں انصاف پسند قوموں کے کارنامے سنہری حروف سے لکھے جاتے ہیں وہاں ان سفاکوں، اور زیردست آزاروں کی ظالمانہ کارروائیوں اور ان کے انجامِ بد کو داستانِ عبرت کے طور پر درج کیا گیا۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہندوستان کی ترقی کا راگ خواہ کتنے ہی اونچے سُروں میں الاپا جائے لیکن یہ حقیقت اپنی جگہ مسلّم ہے کہ اس کے برسرِ اقتدار طبقے نے مُسلم اقلیت کے ساتھ جو غیر منصفانہ بلکہ بے رحمانہ رویّہ اختیار کر رکھا ہے اُسے دیکھ کر اُس کے مستقبل کے بارے میں کوئی اچھی اُمید قائم نہیں کی جا سکتی۔ تاریخ میں اس سے پہلے بھی جن قوموں نے غریبوں پر دستِ ظلم دراز کیا وہ کسی اچھے انجام سے دوچار نہ ہو سکیں اور اس ظلم و استبداد نے اُن کی اپنی جڑوں کو ہی کھوکھلا کر کے رکھ دیا۔ یہ ایک ایسی حقیقت ہے جس کی طرف غیر ملکی مبصرین نے ہی اشارہ نہیں کیا بلکہ ہندوستان کے سنجیدہ اور ذی شعور طبقہ کو بھی اس خطرناک صورتِ حال کا پوری طرح احساس ہے۔ اور اس نے مختلف موقعوں پر اس کا کھلے بندوں اظہار بھی کیا ہے۔ چنانچہ بھارت کے سربراہ پنڈت جواہر لال نہرو نے فسادات پر تبصرہ کرتے ہوئے فرمایا:

"جب تک فرقہ واریت کی ذلت کو ختم نہ کیا جائے ملک کی ترقی کی راہ میں رکاوٹ پڑتی رہے گی۔ مدھیہ پردیش میں جو کچھ ہوا وہ صد فی صد ناانصافی اور وحشتناک ہے۔ جس نے ہم کو ہندوستان میں اور ہندوستان کے باہر عظیم صدمہ پہنچایا ہے۔ جو کچھ ہوا وہ اچانک نہیں ہو سکتا تھا اُس کا خاص حصہ منظم تھا۔"

(پارلیمنٹ میں تقریر)

اسی طرح جناب ارجن سنگھ بھدوریہ نے جو بھارت کی مرکزی اسمبلی کے ایک ممتاز رکن ہیں انہوں نے بڑے رنج کے ساتھ فرمایا:

"علی گڑھ میں جو شرمناک واقعات ہوئے وہ ہندوستان کی پیشانی پر ایک بہت بڑے سیاہ دھبّہ کی حیثیت رکھتے ہیں۔ ابھی تک فرقہ وارانہ جنون کے جو مظاہرے ہوئے ان میں کبھی بھی عورتوں اور معصوم بچوں پر ہاتھ نہیں اٹھایا گیا تھا۔ لیکن علیگڑھ میں اسپتال میں جا کر درجنوں مجروح عورتوں کو دیکھا۔"

"کوئی ایک درجن عورتیں اسپتال میں بہت بُری حالت میں تھیں۔ جب میں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بے ہوش مس نفیس کو دیکھ رہا تھا تو مجھے بتایا گیا کہ اُس کی ماں اور دو بھائی بلوے میں مارے گئے۔ میں برداشت نہ کر سکا اور نمناک آنکھوں کے ساتھ اسپتال سے باہر نکل گیا۔ یہ ساری عورتیں محلہ مانک چوک کی رہنے والی ہیں۔ انوری بیگم نے تو اپنے محلہ کے ان لوگوں کے نام تک بتائے جنہوں نے ان کے گھر کو لوٹا۔ زیورات لے گئے اور گھر میں آگ لگائی۔ میں نے مانک چوک میں بشیر احمد پوسٹ مین کا جلا ہوا گھر دیکھا اور وہ جگہ بھی دیکھی جہاں اس پوسٹ مین کو جلایا گیا تھا ...... محلہ مانک چوک میں مغلوں کی مسجد کو بھی جسے جلا کر خاک کر دیا گیا تھا سینکڑوں مسلمان بھائیوں نے مجھے دکھایا۔ یہاں لوگوں نے مجھے قرآن مجید کے جلے ہوئے اوراق بھی دکھائے۔ میں اس بات کا تصور بھی نہیں کر سکتا تھا کہ انسان اس درجہ پاگل ہو سکتا ہے کہ وہ خدا اور بھگوان کے گھر میں بھی پاگل پن کا ثبوت دے۔ وہاں پر جو سامان تھا وہ بھی سب لوٹ لیا گیا۔ خدا کے گھر میں پاگل لٹیروں نے یہ ننگا ناچ ناچ کر ہندوستان کا سر جھکا دیا۔"

پھر ہندوستان کے بہت سے سنجیدہ لوگوں نے اس اخلاقی انحطاط، تعصب، تنگ نظری اور بہیمیت کے اسباب کا بھی کھوج لگانے کی کوشش کی ہے۔ اس غیر انسانی طرزِ عمل کی سب سے بڑی وجہ وہ احساسِ شکست ہے جو ہندو قوم تقسیمِ ملک کے وقت ہی سے بُری طرح محسوس کر رہی ہے۔ وہ یہ سمجھتی ہے کہ اُسے پورے ہندوستان کا بلا شرکتِ غیرے مالک ہونا چاہیے تھا۔ مسلم اکثریت کے جو علاقے مسلمانوں کے سپرد کیے گئے ہیں وہ سراسر زیادتی اور ناانصافی ہے اور تقسیمِ ملک پر اسے مجبور کر دینا اُس کی شکست ہے۔ ہندو قوم کے اس غلط احساس کے لیے کوئی معقول بنیاد تو نہ تھی لیکن اُس نے اپنے سینے میں بڑے ہی متعصبانہ جذبات کی پرورش کر کے اس احساس کو اپنی قومی زندگی کا ایک جزو بنا لیا۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ اپنے اعمال کے سارے اخلاقی نتائج سے یکسر بے پروا ہو کر کمزوروں پر ٹوٹ پڑی۔ ملک کے اندر ایک طرف اُس نے اس انتقام کی آگ کو بے بس مسلمانوں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کا خون بہا کر ٹھنڈا کرنے کی کوشش کی۔ اور دوسری طرف مختلف ریاستوں پر تشدد کے ساتھ قبضہ کرنا شروع کیا۔ منگرول، مناودر، جوناگڑھ، حیدرآباد اور گوا آج زبانِ حال سے بھارت کے ظلم و استبداد کی داستان بیان کر رہی ہیں۔

کشمیر پر بھارت کا قبضہ اتنا وحشیانہ اور سنگدلانہ فعل ہے کہ اسے دیکھ کر یوں محسوس ہوتا ہے کہ شاید وہاں کے برسرِ اقتدار طبقہ کا ضمیر بالکل مُردہ ہو چکا ہے اور اُس میں کوئی اخلاقی حس باقی نہیں رہی۔ حیدرآباد اور جوناگڑھ کو اس بنیاد پر ہڑپ کیا گیا کہ وہاں کے باشندگان کی اکثریت غیر مسلم ہے اور ہندوستان کے ساتھ الحاق چاہتی ہے اور ریاستیں اُسی ملک کے ساتھ شامل ہونی چاہییں جس کے لیے اُن کی اکثریت خواہشمند ہو۔ لیکن اس اصول کو کشمیر میں یکسر نظر انداز کر کے یہاں بہ جبر اس پر قبضہ جمایا گیا۔ یہاں کا حکمران اس ریاست کو ہندوستان کی تحویل میں دینے کا آرزومند ہے۔

اس ضمن میں بھارت نے اہلِ کشمیر، پاکستان اور اقوامِ متحدہ کے ساتھ جو عہد و پیمان کیے تھے اُن کی جس انداز سے مٹی پلید کی گئی ہے وہ تاریخِ انسانی کی ایک نہایت ہی عبرتناک داستان ہے۔ انہیں دیکھ کر انسان کے لیے یہ باور کرنے کے علاوہ کوئی چارہ کار نہیں رہتا کہ دنیا میں اصل چیز قوت و طاقت ہے اور بین الاقوامی معاملات تو اسی بنیاد پر طے ہوتے ہیں۔ ایک قوم طاقت کے نشے میں سرشار ہو کر اٹھتی ہے اور وہ پوری دنیا کے دیکھتے دیکھتے ایک بے سروسامان قوم پر اپنا پنجۂ استبداد گاڑ دیتی ہے۔ ایک طرف راستی و صداقت ہے اور دوسری طرف کذب و دروغ بافی۔ ایک جانب مظلومانہ مدافعت ہے اور دوسری طرف جارحانہ پیش قدمی۔ ایک طرف بے چارگی اور بے سروسامانی ہے اور دوسری طرف جدید اسلحہ کی خنتنہ سامانیاں، اس پر بھی اہلِ کشمیر جس جانبازی اور شجاعت کے ساتھ لڑے وہ کوئی بھول جانے والی بات نہیں۔ اُن بیچاروں کے ساتھ جو کچھ ہوا وہ تو جو ہوا ہی، لیکن اسے دیکھ کر دورِ حاضر کے اخلاقی انحطاط کا پوری طرح اندازہ کیا جا سکتا ہے۔ یہ حقیقت اچھی طرح منکشف ہو گئی ہے کہ اقوامِ متحدہ ممکن ہے طاقتور قوموں کے لیے کوئی اہمیت رکھتی ہو لیکن کمزوروں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کے لیے یہ بالکل ایک بیکار ادارہ ہے۔ تہذیب کے علمبرداروں نے اور تمدن کے دعویداروں نے یہ خونیں تماشا اپنی آنکھوں سے دیکھا لیکن ان میں سے کوئی بھی ٹس سے مس نہ ہوا۔ اقوامِ متحدہ جسے امن و صلح کا نقیب اور مظلوموں کی آخری پناہ گاہ ہونے کا دعویٰ ہے اُس نے بھی مظلوم کشمیریوں کی کوئی دادرسی نہ کی۔ مذاکرات کے ڈھکوسلے کے پیچھے بیٹھ کر مہذب اقوام نے اطمینان کے ساتھ اس ظلم و ستم کو دیکھا اور خاموش رہیں۔ کسی نے اپنا دستِ تعاون آگے نہ بڑھایا کسی نے آگے بڑھ کر ظالم کا ہاتھ پکڑنے کی کوشش نہ کی مظلوموں کی دلخراش صدائیں اور بے کسوں کی پُر درد آہیں بھی انسانیت کے مردہ ضمیر کو جھنجھوڑنے میں ناکام رہیں یہاں تک کہ صداقت و راستی نے کذب و باطل کے آگے سر جھکا دیا اور ایک کمزور اور بے نوا قوم اپنی حریت و آزادی کو حرص و ہوسناکی کی دیوی کے آگے قربان کرنے پر مجبور ہو گئی۔

ہندوستان نے اس سلسلہ میں جس انسانیت سوز روش کا مظاہرہ کیا ہے اور اس کے متعلق مہذب دنیا نے محض اُس کی قوت و طاقت سے مرعوب ہو کر جس افسوسناک بے حسی کا ثبوت دیا ہے اُن کے نتائج کے بارے میں غور و فکر کرنا اُن کا اپنا کام ہے۔ ہم اس معاملے میں صرف یہی کہہ سکتے ہیں کہ جس جبر و استبداد کو یہ لوگ بھارت کی عظیم الشان فتح قرار دے رہے ہیں وہ اس قوم کے لیے ایک ایسا نقطہ انحراف بھی ثابت ہو سکتا ہے جہاں سے وہ تنزل اور بربادی کی طرف دھکیل دی جائے کمزوروں اور بے کسوں پر مظالم کے پہاڑ توڑ کر، اپنے کیے ہوئے وعدوں کو قوت و طاقت کے زعم میں پسِ پشت ڈال کر، مد مقابل کی بے بسی سے ناجائز فائدہ اٹھا کر اور اپنی اخلاقی ذمہ داریوں کو یکسر نظر انداز کر کے آج تک دنیا کی کسی قوم نے ترقی نہیں کی۔ یہ ایک ایسی روش ہے جو وقتی طور پر دوسروں کو ہراساں کر سکتی ہے لیکن اس کے نتائج ہمیشہ خطرناک ثابت ہوئے ہیں۔

ہندوستان اس معاملہ میں جو موقف چاہے اختیار کرے اور مغربی اقوام جس طرح چاہیں اُس کے ساتھ سلوک کریں۔ یہ اُن کا باہمی معاملہ ہے جس کے اثرات سے اگرچہ ہم محفوظ نہیں رہ سکتے لیکن ہم اس صورتِ حال کو بدلنے کی بھی اس وقت اپنے اندر کوئی قوت اور طاقت نہیں رکھتے۔ . . . .

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اس پر اصل غور و فکر انہی لوگوں کو کرنا چاہیے جو اس کے ذمہ دار ہیں اور انہیں اپنی قوم کی دشمنی نہیں بلکہ خیر خواہی مقصود ہے۔

یہ افسوسناک صورتِ حال جو کچھ بھی ہے وہ اپنی جگہ موجود ہے اور اس کے نتائج بھی پوری طرح مکمل کر ہمارے سامنے آچکے ہیں۔ اب ہمارے دیکھنے کی چیز یہ ہے کہ ہم اس صورتِ حال سے نبٹنے کے لیے کونسا قدم اٹھاتے ہیں۔ کیا ہم سب واویلا کرکے خاموش ہو جانا چاہتے ہیں یا ہم اپنے سامنے کچھ ایسی تدابیر رکھتے ہیں جنہیں اختیار کرکے ہم دوسروں کی تاخت سے محفوظ و مامون رہ سکتے ہیں

پندرہ سال کے گزشتہ واقعات نے اس حقیقت کو اچھی طرح ثابت کر دیا ہے کہ مغربی اقوام خواہ اُس کا تعلق اشتراکی بلاک سے ہو یا غیر اشتراکی بلاک سے پاکستان کے مقابلے میں ہندوستان کی طرف زیادہ مائل ہیں اور وہ ہر قیمت پر اس کی تائید اور حمایت حاصل کرنے کی متمنی ہیں۔ وجہ صاف ظاہر ہے۔ بھارت چونکہ پاکستان کی نسبت زیادہ طاقتور ہے اس لیے بین الاقوامی رسہ کشی میں جس بلاک کا اس ملک نے ساتھ دینے کی آمادگی ظاہر کی وہی بلاک زیادہ مضبوط ہوگا۔ اس لیے ہمیں اس حقیقت کو پوری طرح ذہن نشین کر لینا چاہیے کہ ان میں سے کوئی بلاک بھی بھارت کی کسی قیمت پر ناراضگی مول لینے کے لیے تیار نہیں ہو سکتا الا یہ کہ خود اُس ملک کو ہی اس کے بڑھتے ہوئے استعماری عزائم سے خطرہ لاحق ہونے لگے۔ جس کی اس وقت اس سے بہت کم توقع کی جاسکتی ہے۔ دوسرے ہر بلاک یہ سمجھتا ہے کہ ایشیا کے اندر یہی وہ واحد ملک ہے جو اُن کے مفادات کی پوری طرح حفاظت اور پاسبانی کر سکتا ہے۔ اگر یہ اشتراکیت کا ساتھ دے تو پھر اینگلو امریکن بلاک کے بڑھتے ہوئے تسلط کو اسی کی وساطت سے روکا جاسکتا ہے اور اس کے برعکس اگر یہ سرمایہ دار ملکوں کی تائید پر رضامند ہو جائے تو پھر اس کی مدد سے اشتراکیت کے آگے بند باندھنا ممکن ہوگا۔ اپنی اس مضبوط پوزیشن کی وجہ سے بھارت ان دونوں بلاکوں سے جو مطالبہ بھی کرے گا وہ فی الفور پورا کر دیا جائے گا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بلکہ اسے ایک نعمت غیر مترقبہ سمجھتے ہوئے بلا باک اس کی ہر جائز و ناجائز خواہش پوری کرنے کی کوشش کرے گا۔ چنانچہ دیکھیے کہ چین اور بھارت کے سرحدی تنازعوں میں امریکہ اور انگلستان نے پاکستان کے جذبات کو کس بُری طرح نظر انداز کرتے ہوئے بھارت کی کس خوش دلی کے ساتھ پوری پوری معاونت اور دستگیری کی ہے اور اس سرعت کے ساتھ اُسے اسلحہ فراہم کیا ہے جیسے کہ اُن کی اپنی سرحدیں خطرات میں گھر گئی ہوں۔ اس لیے یہ سمجھنا کہ مغربی قومیں بھارت کے مقابلے میں ہمارے ساتھ کوئی ترجیحی سلوک کریں گی انتہائی سادگی ہے، ایک ایسی سادگی جس کے ڈانڈے حماقت اور بیوقوفی سے ملے ہوئے ہیں۔

تیسرے مغربی قوموں کی رفاقت اور دوستی پر اس وجہ سے بھی بھروسہ نہیں کیا جا سکتا کہ اُن کے ہاں بین الاقوامی تعلقات کی بنیاد امانت اور دیانت پر نہیں بلکہ مصلحت وقت پر رکھی گئی ہے۔ اُن کے ہاں دوستی اور دشمنی کا صرف ایک معیار ہے اور وہ ہے مصلحت پرستی۔ اس لیے اُن کے سارے عہد و پیمان، اُن کی یقین دہانیاں محض دھوکہ ہیں۔ وہ جب بھی کسی وعدے کو اپنی مصلحت کے خلاف پاتی ہیں تو اسے توڑنے میں انہیں قطعاً کوئی باک نہیں ہوتا۔ اپنے عہد کا پاس اور اُس کی پابندی وہ صرف اُس حد تک ہی کرتی ہیں جس حد تک اُن کے اپنے مفادات پر کوئی ضرب نہ پڑنے پائے لیکن جس لمحہ میں یہ محسوس کرتی ہیں کہ ان کے مفادات پر معمولی سے معمولی زد پڑ رہی ہے تو پھر وہ انہیں بلا تکلف اٹھا کر پھینک دیتی ہیں۔ امریکہ نے ہندوستان کے ساتھ خفیہ معاہدہ کر کے جس بددیانتی کا ثبوت دیا ہے اُسے دیکھ کر ہمیں ان قوموں سے کسی خیر اور بھلائی کی توقع نہیں ہو سکتی۔ امریکہ کس شرمناک طریق سے ہمارے جذبات اور احساسات سے مسلسل کھیلتا رہا ہے اور اندر ہی اندر وہ ہمارے دشمن کے ساتھ محبت کے رشتے استوار کرنے میں برابر مصروف رہا ہے۔ مغربی ڈپلومیسی کی یہ ایک ایسی بدترین مثال ہے جسے کبھی بھلایا نہیں جا سکتا۔ اس بنا پر مغربی اقوام سے کسی خلوص، سچائی اور انصاف کی توقع رکھنا محض ابلہ فریبی ہے۔ ہمیں اس بات کو پوری طرح سمجھ لینا چاہیے کہ ان کے کسی قول و قرار کا قطعاً کوئی اعتبار نہیں۔ ان کی حیثیت مرغ باد نما کی سی ہے جسے وقتی مصلحتوں کے تھپیڑے جس طرف چاہیں گھما دیں۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

پھر مغرب اگرچہ کافی حد تک "روشن خیال" ہو گیا ہے لیکن اُس کے دل سے ابھی تک وہ کینہ اور بغض نہیں گیا جو صلیبی جنگوں کی یاد سے اُس کے اندر برابر سُلگ رہا ہے۔ چنانچہ گذشتہ دو صدیوں میں اُس نے اسلامی ممالک کو جس طرح سے تاخت و تاراج کرنے کی مختلف کوششیں کی ہیں وہ ایک انتہائی دلفگار داستان ہے۔ مغربی طاقتوں نے ہر اُس ملک کو پامال کیا جس میں اسلام کے اُبھرنے کے کچھ بھی امکانات موجود تھے۔ انہوں نے ہر اُس تحریک کو کچلنے کے لیے ایڑی چوٹی کا زور صرف کیا جو احیائے اسلام کا عزم رکھتی تھی اور اس کے مقابلے میں اُنہوں نے ہر اُس گروہ کی دامے، درمے، قدمے، سخنے مدد کی جس نے مسلمانوں کو مغربی تہذیب و تمدن میں رنگنے کے لیے اپنی خدمات پیش کیں۔ اس معاملہ میں مغربی قوموں نے انتہائی چوکسی کا ثبوت دیا ہے۔ وہ اس ڈرامہ میں براہِ راست ایکٹر کا پارٹ ادا نہیں کرتیں بلکہ مسلمانوں کے اندر ہی ایسے لوگوں کو لُکٹ پہنچانے کی سعی کرتی ہیں جو اپنی قوم کے جذبات و احساسات کے خلاف صف آرا ہونے کے لیے تیار ہو جائیں۔ اُن کے اس طرزِ عمل کا نتیجہ یہ ہے کہ مسلم ممالک کے اندر ایک قسم کی خانہ جنگی کی کیفیت پیدا ہو گئی ہے۔ امتِ مُسلمہ کے اندر بعض ایسے طبقوں نے سر اٹھا لیا ہے جو اس امت کے اندر ہر قسم کا فتنہ و فساد برپا کر رہے ہیں اور غیروں کے فراہم کردہ وسائل سے اس ملت کو مغربی اقدار کا غلام بنانے کے درپے ہیں۔

ان حالات میں ہمارے لیے راہِ نجات کیا ہے؟ یہ ایک ایسا سوال ہے جو اس وقت ہر پاکستانی کو پریشان کر رہا ہے۔

اس سلسلہ میں ہماری پہلی گزارش یہ ہے کہ ہم نے مغربی قوموں پر بے جا اعتماد کر کے اُس کے خطرناک نتائج کو اپنی آنکھوں سے اچھی طرح دیکھ لیا ہے۔ اس لیے ہمیں غیروں پر بھروسہ کرنے کی پالیسی کو یکسر ترک کر دینا چاہیے اور اس بات کا عزم بالجزم کرنا چاہیے کہ اب ہم سب جھوٹے خداؤں کو چھوڑ کر ایک ایسی بلند و بالا ذات پر بھروسہ کریں گے جو اس دنیا میں قوت و طاقت کا حقیقی سرچشمہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہے اور جس کے ساتھ رشتۂ عبودیت استوار کر لینے کے بعد پھر ہم پر کبھی بھی ذلت اور مسکنت مسلط نہیں ہو سکتی - خدا پر ایمان محض چند حروف کا ایک کلمہ ہی نہیں بلکہ دنیوی سربلندی اور اُخروی فلاح کی ضمانت ہے - دنیا کی جس قوم نے اس ایمان کو اپنے سینے میں اُس کے پورے متقضیات کے ساتھ پالا ہے اُسے کبھی کوئی جابر سے جابر قوم بھی سرنگوں نہیں کر سکی ۔

اللہ کو پا مردیٔ مومن پہ بھروسہ
ابلیس کو یورپ کی مشینوں کا سہارا

کوئی شاعرانہ ٹر نہیں ، بلکہ ایک ایسی حقیقت ہے جس پر پوری انسانی تاریخ گواہ ہے

دنیا کی جس قوم نے بھی اپنے اندر کسی مقصد کے ساتھ عشق پیدا کر کے اپنی زندگی کو اُس کے مطابق ڈھالنے کی کوشش کی اور پھر اُسے سربلند کرنے کے لیے جان و مال کی قربانی دینے پر آمادہ ہوئی ، قوت و طاقت نے خود آگے بڑھ کر اپنی عنانِ اختیار اُس کے سپرد کر دی اور اُس نے اُسے جس طرح چاہا بے دریغ استعمال کیا - آج اگر قوم پرستی کا خوفناک جذبہ یورپ کی مختلف اقوام کو سرگرمِ عمل کر سکتا ہے ، اگر نسلی تفوق اور برتری کا شیطانی فلسفہ اہلِ جرمن کے لیے زندگی کی حرارت پیدا کرنے میں کامیاب ثابت ہو سکتا ہے ، اگر اشتراکیت جیسا انسانیت سوز نظریہ روس اور چین جیسی بیکار اور پسماندہ قوموں کو نئے نئے عزائم اور ولولے عطا کر سکتا ہے تو کوئی وجہ نہیں کہ اسلام جیسا الہامی دین اور متوازن اور حیات آفریں نظامِ حیات مسلمانوں کے دلوں کو گرمانے اور اُن کے اندر خونِ زندگی دوڑانے میں ناکام رہے ۔

ماضی کا تو ذکر چھوڑیئے ، گذشتہ چند سالوں میں ہم اس اسلامی نصب العین کی اثر آفرینی کے مختلف مظاہر دیکھ چکے ہیں - خود پاکستان کا وجود اس کا ایک حیرت انگیز نمونہ ہے - اسلامی نظامِ حیات کے ایک نعرے ہی نے اپنی مقناطیسیت سے جوڑ کر ہمیں ایک وحدت بنا دیا - ہمیں ایسی قوت و

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

طاقت بخشی جس کی مدد سے ہم نے مختلف مخالفتوں اور مزاحمتوں کا بڑی بے جگری سے مقابلہ کیا۔ ہمارے اندر ایثار اور قربانی کے لیے نہایت ہی پاکیزہ جذبات ابھرے اور ہم اس بلند و بالا مقصد کی خاطر اپنا تن من دھن سب کچھ قربان کرنے کے لیے تیار ہو گئے۔ جس نصب العین کی کشش اور محبت اور جس نظامِ حیات کی طلب اور لگن ہمارے اندر یہ جوشِ عمل پیدا کر سکتی ہے کہ ہم اس کرۂ ارضی پر ایک نئے مسلمان ملک کا اضافہ کر دیں، اُس نصب العین اور اُس نظامِ حیات میں بہر حال یہ طاقت بھی موجود ہے کہ وہ ہمیں اس ملک کے حفظ و بقا کے لیے بھی پوری طرح صف بستہ کر سکے۔

مسلمانوں کی جگہ کوئی دوسری قوم ہوتی تو اس کے لیے یہ امر بجائے خود کافی پریشان کن ہوتا کہ وہ ایک ایسا اجتماعی تخیل، ایسا مقصد، ایسی قدریں، ایسے اصول کہاں سے لائے جو اُس قوم کے مختلف عناصر کے اختلافی تخیلات پر غالب ہو کر اُسے ایک بنیانِ مرصوص بنا سکیں۔ لیکن ہمارے ہاں تو خوش قسمتی سے یہ سب کچھ موجود ہے اور صدیوں کی روایات پہلے ہی اس کی جڑیں ہماری زندگی میں پوری طرح پھیلا چکی اور گہری اُتار چکی ہیں۔ صرف ہماری غفلت اور دورنگی نے اسے مضمحل کر رکھا ہے اور اس وجہ سے ہم قوت و استحکام کے اس لازوال اور عظیم خزانے سے محروم ہو رہے ہیں۔ جس نے نہ صرف ہمیں ایک الگ ملی وجود بخشا بلکہ جس کی بدولت کئی صدیوں تک پوری دنیا کی امامت اور سربراہی بھی ہمارے ہاتھ میں رہی۔ یہ محض اس نصب العین کی برکت تھی کہ ہم صحرا کے ایک گوشے سے اٹھ کر ساری دنیا پر چھا گئے۔ ہماری تہذیب دنیا کی غالب تہذیب سمجھی گئی۔ ہمارے خوب و ناخوب کے پیمانوں کے مطابق قوموں نے اپنی اقدارِ حیات متعین کیں۔ ہمارے پیش کردہ قوانین اور اخلاقی ضابطوں کی روشنی میں لوگوں نے اپنی انفرادی اور اجتماعی زندگی کی تشکیل کی۔ ہمارے اساسی تصورات سے متاثر ہو کر انسانوں نے انسانیت کا سبق سیکھا اور اپنے غصب شدہ بنیادی حقوق کی واپسی کے لیے جد و جہد شروع کی۔ ہم نے علم کی شمعیں جلائیں، تمدن کے گیسو سنوارے، اور انسانی عقل و فکر کو اُس کے صحیح مرتبہ اور مقام سے آشنا کیا۔ یہ کوئی عہدِ عتیق کا افسانہ نہیں بلکہ عہدِ حاضر کی ایک

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ایسی ٹھوس حقیقت ہے جس پر تاریخ کا ہر ورق شاہد ہے۔ آج اگرچہ ہم پر ادبار کی گھٹائیں چھا چکی ہیں، ہم دنیا میں ذلیل ہو کر رہ گئے ہیں۔ اس کرۂ ارضی پر ہمارا کوئی وزن نہیں رہا۔ آج بھیڑوں کے گلے کی بھی ایک قیمت ہے لیکن انسانوں کی اس بھیڑ کی جسے امتِ مسلمہ کے نام سے تعبیر کیا جاتا ہے آج واقعی کوئی قدر و قیمت نہیں۔ لیکن ہم ابھی تک یہ بات نہیں بھولے

کبھی ہم بھی با اقبال تھے، تمہیں یاد ہو کہ نہ یاد ہو

جب تک ہماری پیشانی اپنے خالق اور مالک کے سامنے پورے اخلاص کے ساتھ جھکتی رہی تو پوری نوعِ انسانی ہماری دست نگر رہی اور زمانہ بھی اپنی رفتار متعین کرنے کے لیے ہمارے اشاروں کا منتظر رہا۔

اُس بلندی اور اقبال مندی اور موجودہ ذلت و پستی کے اسباب پر ہم جب غور کرتے ہیں تو ہمیں ہر پھر کر صرف ایک ہی وجہ نظر آتی ہے کہ ہم نے اُس چشمۂ حیواں سے بحیثیتِ ملت مُنہ موڑ لیا ہے جو ہماری طاقت کا اصل مبداء ہے اور اپنے آپ کو اُس بحرِ ظلمات میں کھو دیا ہے جس سے انسانیت کو نکالنے کے لیے ہم اس دنیا میں پیدا کیے گئے ہیں۔ ہم اپنے اصل سبق کو بھول گئے ہیں، ہم نے اُس انقلاب انگیز پیغام کو بھی فراموش کر دیا ہے جسے سننے کے لیے قومیں ہماری طرف متوجہ ہوا کرتی تھیں اور ہم آج اُن ساری خوبیوں کو اپنے ہاں ایک لگے بندھے منصوبے کے تحت مٹا رہے ہیں جن کی بدولت دنیا ہمیں عزت و احترام کی نگاہ سے دیکھتی تھی۔

ایک فرد کے نزدیک جو اہمیت روح کی ہے، قوموں کے نزدیک وہی اہمیت اجتماعی تخیلات اور اُن کے مقاصد کی ہوتی ہے۔ جس طرح روح کے جسم سے الگ ہو جانے کے بعد بے جان جسد زندہ انسانوں کے لیے اپنے اندر کوئی کشش نہیں رکھتا۔ بلکہ اُن کے لیے ہر لحاظ سے مضرت رساں ہوتا ہے اور اسی وجہ سے وہ جلد از جلد اسے ٹھکانے لگانے کے لیے فکر مند ہوتے ہیں بالکل

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اسی طرح قومیں اپنے نصب العین سے بے تعلق ہو کر، اپنے اساسی تصورات سے رشتہ توڑ کر، اور اپنے مقاصد اور نصب العین سے الگ ہو کر لاشیں بن جاتی ہیں جن سے پھر قافلۂ انسانیت انسانوں کی حیثیت سے معاملہ نہیں کرتا بلکہ انہیں خاک کا ڈھیر سمجھتے ہوئے یکسر نظر انداز کر کے آگے بڑھتا ہے اور اگر وہ راہ میں حائل ہوں تو پھر انہیں ٹھوکروں کے ذریعہ بڑی بے رحمی کے ساتھ راستے سے ہٹا دیا جاتا ہے۔

ہمارے پاس آخر وہ کونسی ایسی چیز ہے جس کی بدولت دنیا ہمیں عزت کی نگاہ سے دیکھے۔ تعداد کے اعتبار سے ہم کوئی قابلِ قدر حیثیت نہیں رکھتے۔ خصوصاً جب یہ تعداد بھی زندگی کی حرارت بھی کھو چکی ہو اور اس کے اندر جینے اور ترقی کرنے کے سارے ولولے ختم ہو چکے ہوں۔ یہ بے جان لاشے جتنے زیادہ ہوں گے اتنے ہی یہ کرۂ ارضی پر بوجھ تصور کیے جائیں گے۔ پھر زر و مال کی ہمارے ہاں کوئی ایسی فراوانی نہیں جو دوسری قوموں کے لیے کشش کا باعث ہو۔ علم و ہنر میں ہم نے کوئی ایسی حیرت انگیز ترقی نہیں کی جس کی وجہ سے دوسری قومیں ہماری رہنمائی اور تعاون کی ضرورت محسوس کریں۔ پھر یہ افکار و نظریات جنہیں ہمارے ہاں فروغ دینے کے لیے ہمارا برسرِ اقتدار طبقہ بے تاب ہے، یہ سب دانشِ فرنگ کی کرشمہ سازیاں ہیں جنہیں اپنا کر ہم نقال اور تابع مہمل تو کہلا سکتے ہیں لیکن کبھی بھی قیادت اور سربراہی کا منصب حاصل نہیں کر سکتے۔ اس بنا پر دنیا میں باعزت طور پر زندہ رہنے اور ترقی کرنے کے لیے ہمارے پاس اس کے سوا کوئی چارۂ کار ہی نہیں کہ غیروں کی کاسہ لیسی کرنے کی بجائے اسلام کے علمبردار کی حیثیت سے دنیا میں اٹھیں اور اپنے اس خطۂ پاک کو مغرب کے باطل افکار و نظریات کی آماجگاہ بنانے کی بجائے تحریکِ اسلامی کا مرکز و محور بنائیں جہاں سے انسانیت کے بھٹکے ہوئے قافلے نورِ ہدایت حاصل کر سکیں۔ اس ایک حیثیت کے علاوہ ہماری کوئی دوسری حیثیت اب ہمیں اس دنیا میں باوقار طریق سے زندہ نہیں رکھ سکتی۔ پھر ہماری یہ حیثیت ایک ایسی حیثیت ہے جس سے ایک طرف ہمارا خالق و

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مالک ہم سے راضی ہوگا اور اس بنا پر ہم دنیا اور آخرت میں کامیاب و کامران ہوں گے اور دوسری طرف اس کرۂ ارضی پر ہم ایک قہر اور ظلمت کی طاقت کی حیثیت سے ابھرنے کی بجائے ابرِ رحمت بن کر برسیں گے جس کی بدولت یہاں نیکی اور شرافت کے پھول کھلیں گے۔ خدا خوفی اور فکرِ آخرت کے مرجھائے ہوئے نخل ہر سے بھرے ہوں گے، عدل و انصاف کی کھیتیاں سیراب ہوں گی اور اس طرح گلشنِ انسانیت میں جو مادیت کی بادِ سموم سے قریب قریب اُجڑ چکا ہے، پھر سے فصلِ بہار آئے گی۔

لیکن یہ خوشگوار تبدیلی محض آرزوؤں اور تمناؤں کے بل بوتے پر ظہور پذیر نہیں ہو سکتی۔ اس کے لیے فکر و عمل کے میدان میں ایک عظیم انقلاب کی ضرورت ہے۔ چنانچہ ہمارے لیے اس سلسلہ میں فی الفور کرنے کے جو کام ہیں اُن میں سب سے ضروری یہ ہے کہ ہم گذشتہ پندرہ سالوں سے بحیثیت قوم اسلام کے ساتھ جو آنکھ مچولی کھیل رہے ہیں، اس شرمناک کھیل کو ختم کر دیں کیونکہ اسلام کوئی کھیل تماشہ نہیں بلکہ خدا کا نازل کردہ وہ واحد دین ہے جو پوری انسانیت کی فلاح و کامرانی کی ضمانت دیتا ہے۔ اسلام کے ساتھ کبھی کبھار کے زبانی اشتغال پر قناعت کر کے یہ سمجھ لینا کہ اس سے پاکستان تحریکِ اسلامی کا منبع بن سکتا ہے پرلے درجے کی حماقت ہے۔ اس لیے ہمیں سب سے پہلے اسلام کے بارے میں اُس تناقض کو دُور کرنا چاہیے جو ہماری زندگی کے سارے شعبوں میں نمایاں ہے اور جس میں بدقسمتی سے ہر روز اضافہ ہو رہا ہے۔ اگر پاکستان کو تحریکِ اسلامی کا مرکز بنانا ہے تو پھر یہاں کی سیاست، معیشت، معاشرت اور تعلیم سب کو اسلام کے مطابق ڈھالنا چاہیے۔ یہاں پھر پوری کوشش کے ساتھ اس امر کا التزام کرنا چاہیے کہ اس خطۂ پاک میں وہ بھلائیاں پروان چڑھیں جنہیں اسلام فروغ دینا چاہتا ہے اور اُن برائیوں کا قلع قمع ہو جنہیں اسلام مٹانے کا حکم دیتا ہے۔ اگر شراب خوری، قمار بازی، فحاشی اور بے حیائی یہاں اسی رفتار سے پھیلتی چلی جائیں اور حکومت ان کی اسی انداز سے سرپرستی کرتی رہے جس طرح کہ وہ اس وقت کر رہی ہے، اگر یہاں بندۂ مزدور کے اوقات اسی طرح تلخ رہیں جس طرح

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کہ وہ فی الواقع اس وقت ہیں، غریبوں پر عرصۂ حیات روز بروز تنگ ہوتا چلا جائے اور ملک کی دولت سمٹ کر صرف ایک مختصر سے طبقے میں محدود ہو کر رہ جائے جو اسے صرف اپنی عیاشیوں میں صرف کرتا رہے، عوام اپنے بنیادی حقوق تک سے محروم ہوں، لوگوں کے جان و مال، عزت و آبرو کی حفاظت کا کوئی معقول انتظام نہ ہو، عدل و انصاف اتنا گراں ہو کہ اسے صرف اصحابِ ثروت ہی خرید سکیں —— الغرض وہ ساری برائیاں یہاں ترقی پذیر ہوں جنہیں اسلام بیخ و بُن سے اکھاڑنا چاہتا ہے اور وہ ساری خوبیاں ناپید ہوں جنہیں اسلام پرورش کرنے اور پھیلانے کی تلقین کرتا ہے، تو اس افسوسناک صورتِ حال کو دیکھ کر کونسا بیوقوف یہ باور کرے گا کہ اس ملک سے اسلام کا نور پھوٹنے والا ہے۔

اسلام اپنے اندر بے پناہ کشش رکھتا ہے، اُس میں بڑھنے اور پھیلنے کی زبردست قوت موجود ہے، اُس کی تعلیمات میں یہ سحر ہے کہ وہ اپنے بدترین دشمنوں کو اپنا دلسوز رفیق اور جاں نثار بنا لے۔ اس کے راستے میں آج سب سے بڑی رکاوٹ خود مسلمانوں کی دورنگی اور منافقت ہے، اگر اسلام کی عالمگیر سچائیاں صرف قرطاس میں محفوظ ہوتیں اور اُن کے ساتھ اُن نفوسِ قدسی کے افعال و اعمال کا تاریخی ریکارڈ بھی موجود ہوتا جو اس دین کے صحیح معنوں میں پیرو تھے تو انسانیت اسے قبول کرنے میں اتنی متأمل نہ ہوتی جتنی کہ وہ مسلمانوں کا طرزِ عمل دیکھ کر ہوتی ہے۔ وہ جب یہ دیکھتی ہے کہ خود اس دین کی پیروی کا دعویٰ کرنے والے اپنی عملی زندگی میں اس سے کنارہ کش ہو چکے ہیں اور وہ اپنی انفرادی اور اجتماعی زندگی کی تعمیر کے لیے جو خاکے اور نقشے تیار کر رہے ہیں وہ مغربی تہذیب کا چربہ ہیں تو ان حالات میں وہ یہ سمجھنے پر اپنے آپ کو مجبور پاتی ہے کہ اسلام شاید اپنی عملی افادیت اب کھو چکا ہے اسی وجہ سے اس کے ماننے والے اب دوسروں کی رہنمائی کے محتاج ہیں۔

ہم میں سے وہ لوگ جنہیں کبھی بھی کسی یورپین سے اسلام کے بارے میں کھل کر گفتگو کرنے کا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

موقع ملا وہ اس صورتِ حال کی ضرور تائید کریں گے۔ خود راقم الحروف کو کئی مرتبہ اس کا ذاتی تجربہ ہُوا۔ ایک جرمن نژاد پروفیسر جنہیں اسلام سے خاصا لگاؤ تھا اور جو اسلامی روایات کے بڑے قدرداں تھے۔ وہ ایک مرتبہ ملنے کے لیے تشریف لائے اور اسلامی تعلیمات کے مختلف پہلوؤں پر نہایت سلجھے ہوئے انداز میں گفتگو کرتے رہے۔ آخر میں کہنے لگے " اسلام نے اپنے عہد میں واقعی ایک بہت بڑا کارنامہ سرانجام دیا ہے "۔ جب میں نے یہ کہا کہ یہ آج بھی انسانی دکھوں کا مداوا کرسکتا ہے اور انسانیت آج جن مصائب میں گرفتار ہے اُن سے اسے احسن طریق سے نجات دلا سکتا ہے تو کہنے لگے " آپ کو ایک مسلمان کی حیثیت سے ایسا ہی عقیدہ رکھنا چاہیے " میں نے کہا: یہ چیز عملی اعتبار سے بھی حقیقت ہے " تو کہنے لگے " مجھے اس کے قبول کرنے میں کافی تردّد ہے، اگر یہ واقعی انسانی دکھوں کا مداوا ہے تو پھر سب سے پہلے آپ کو اپنے اس نسخۂ کیمیا کو آزمانا چاہیے۔ آپ جو مغرب کی نقالی کر رہے ہیں تو یہ اس بات کا بیّن ثبوت ہے کہ یہ دین کم از کم اجتماعی زندگی میں اب اپنی افادیت کھو چکا ہے۔ دنیا کا کونسا ایسا انسان ہے جسے اپنی عزت بھی عزیز ہو اور وہ اپنے قبضہ میں ایک بیش بہا خزانہ رکھتے ہوئے دوسرے کے سامنے ہاتھ پھیلائے "۔ اُسے تو خیر میں نے جواب کے طور پر چند فقرے کہہ دیئے لیکن مجھے اس کی گفتگو سے اس بات کا ہلکا سا اندازہ ہوگیا کہ ہم کس طرح اسلام کی راہ میں اب ایک سنگِ گراں بن گئے ہیں۔

پاکستان کے مسلمان اگر واقعی ایک آبرومندانہ زندگی بسر کرنے کے آرزومند ہیں تو پھر غیروں کی بدعہدیوں اور کم ظرفیوں اور خرمستیوں پر غضبناک ہونے کی بجائے ضروری ہے کہ ہم پہلے اپنے گھر کے اندر اصلاحِ احوال کی کوشش کریں اور ملک کو داخلی اعتبار سے ایک طاقتور ملک بنائیں۔ اس کے لیے سب سے اہم اور ضروری تبدیلی وہی ہے جس کا ہم نے گزشتہ صفحات میں ذکر کیا ہے کہ ہم اسلام کے معاشے میں منافقانہ روش ترک کر کے پوری یکسوئی اختیار کریں۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

یہ ملک اسلام کے نام پر لیا گیا تھا ، اسلامی نظام کے احیاء کے لیے ہی مسلمانوں نے بے مثال قربانیاں دی تھیں ۔ اس لیے اسے اسلام کی تجربہ گاہ بنانے کی ہی فکر کرنی چاہیے ۔ اگر کچھ لوگ یہاں دوسرے تجربات کرنا چاہتے ہیں تو ان کے لیے صحیح طرزِ عمل یہ نہیں کہ وہ مختلف قسم کے ناجائز طریقوں کو استعمال میں لا کر مسندِ اقتدار حاصل کر لیں اور پھر قوت کے بل بوتے پر لوگوں پر اپنے دلپسند افکار ٹھونسنے کی مذموم کوشش کریں ۔ ان کے لیے جائز اور صحیح راستہ یہ ہے کہ وہ ایچ پیچ کی ساری پالیسیوں کو ترک کر دیں اور جو ان کے نظریات ہیں انہیں کھل کر عوام کے سامنے پیش کریں تاکہ عوام ان کا اچھی طرح جائزہ لے سکیں اور یہ اندازہ کر سکیں کہ وہ انہیں کس حد تک قابلِ قبول ہیں ۔ اور اگر وہ رائے عامہ کی تائید سے اقتدار کی باگیں سنبھالنے میں کامیاب ہو جائیں تو پھر انہیں اس مخمصے سے نجات مل جائے گی جس میں وہ اس وقت اپنے آپ کو گرفتار پاتے ہیں اور وہ پوری یکسوئی اور اطمینانِ قلب کے ساتھ قوم کو مغرب کا پرستار بنا سکیں گے اور اس کے برعکس اگر وہ اپنے نظریات کے حق میں رائے عامہ ہموار کرنے میں ناکام ثابت ہوں اور یہاں کے عوام اس ملک میں اسلام کی ہی بالادستی قائم کرنے پر مصر ہوں تو پھر ان کی وطن دوستی کا تقاضا یہ ہے کہ یا تو وہ اپنے فکر و نگاہ کے زاویوں میں اس انداز کی تبدیلی پیدا کریں کہ وہ قوم کے افکار و تصورات سے بالکل ہم آہنگ ہو جائیں یا پھر قوم کو اس بات کا کھلا موقع دیں کہ وہ ان لوگوں کو پوری آزادی کے ساتھ اقتدار کے تخت پر متمکن کر سکے جو اس کی آرزوؤں اور تمناؤں کو بروئے کار لانے کا عزم اور اہلیت رکھتے ہوں ۔ گذشتہ چند سال کے عرصہ میں برسرِ اقتدار طبقہ نے اس قوم کی خواہشات کا جس بے دردی سے گلا گھونٹا ہے ، اس سے قوم کے اندر کوئی تعمیری صلاحیت ابھر نہیں سکی ۔ یہ طرزِ عمل ہمیشہ قوموں کو بزدل بناتا ہے اور ان کے اندر یاس و قنوطیت کے جراثیم کی پرورش کرتا ہے جو بالآخر ان کے لیے جان لیوا ثابت ہوتے ہیں اس بنا پر داخلی استحکام کے لیے یہ بات اشد ضروری ہے کہ اس ملک کی عنانِ اختیار ایسے لوگوں کے ہاتھوں میں پہنچ جائے جو قوم کی تمناؤں کی بطریقِ احسن تکمیل کر سکیں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ان کا طرز عمل قومی تصورات کی عکاسی کرے اور اُن کی منصوبہ بندیاں قومی امنگوں کا مظہر ہوں۔

داخلی استحکام کے ساتھ ساتھ ہمیں اس بات کی بھی پوری کوشش کرنی چاہیے کہ وہ ریاستیں جن کے باشندوں کے ساتھ ہمارا دینی رشتہ قائم ہے وہ ہم سے قریب تر ہوں۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ اس وقت قریب قریب ساری عرب ریاستیں نیشنلزم کا شکار ہیں اور اس بنا پر انہوں نے ہمارے ساتھ اُس اخوت اور ہمدردی کا سلوک نہیں کیا جس کے کہ ہم بحیثیت مسلم فی الواقع مستحق تھے لیکن اس معاملے میں ہم سے بھی بعض بڑی بڑی کوتاہیاں ہوئی ہیں جن کا ازالہ کرنے کی ہمیں جلد از جلد فکر کرنی چاہیے۔

اس ضمن میں پہلی چیز جس کا اہتمام نہایت ضروری ہے وہ یہ ہے کہ اس خطہ پاک کی نمائندگی کا فرض صرف انہی لوگوں کو سونپا جائے جو فکر و عمل اور سیرت و کردار کے اعتبار سے صحیح معنوں میں مسلمان ہوں۔ اب تک جن لوگوں کے سپرد یہ کام رہا ہے انہوں نے اپنے غلط طرز عمل کی وجہ سے تعلقات کو بہتر بنانے کی بجائے انہیں کافی حد تک بگاڑا ہے۔ یہ لوگ مغربی تہذیب و تمدن کے اس حد تک دلدادہ اور فدائی ہیں کہ انہیں دیکھ کر کوئی شخص یقین نہیں کر سکتا کہ یہ کسی اسلامی ریاست کے مسلمان نمائندے ہونگے۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ اسلام کا وہ تعلق جس کی بدولت ہم اُن ریاستوں کے باشندوں کی ہمدردیاں حاصل کر سکتے ہیں وہ بالکل بے اثر ہو کر رہ جاتا ہے، بلکہ ہمارے نمائندوں کی خلافِ اسلام حرکات کو دیکھ کر انہیں ہم سے نفرت ہونے لگتی ہے۔

اسی سلسلہ میں دوسری زبردست ٹھوکر ہم نے یہ کھائی ہے کہ پاکستان کے قائم ہوتے ہی وزارتِ خارجہ کا قلمدان ایک ایسے شخص کے سپرد کر دیا جو کسی لحاظ سے بھی اسلامی ریاست کا نمائندہ بننے کی اہلیت نہیں رکھتا۔ یہ شخص ایک ایسی خانہ ساز نبوت کا قائل ہے جو برطانیہ کے استعماری عزائم کا ہمیشہ آلۂ کار رہی ہے۔ اس شخص نے ملک کی خارجہ پالیسی کو ترتیب دیتے وقت اس بات کا پورا پورا التزام کیا کہ یہ خطۂ پاک عرب ریاستوں سے بالکل کٹ جائے اور اپنی قسمت کو منتقل

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

طور پر اینگلو امریکن بلاک کے ساتھ وابستہ کر دے۔

ہمارے سفارت خانے مرزائیت کے اڈے بن گئے۔ مرزائیوں کو کثیر تعداد میں بھرتی کر کے دوسرے ممالک میں بھیجا گیا جہاں انہوں نے ملک اور قوم کے حق میں رائے عامہ ہموار کرنے کی بجائے قادیانیت کا پروپیگنڈہ شروع کر دیا۔ یہ چیز عرب ممالک کے لیے ہر لحاظ سے ناقابلِ برداشت ہے ایک عرب جو عربی زبان کی نزاکتوں اور لطافتوں سے پوری طرح واقف ہے وہ بے دین تو ہو سکتا ہے لیکن کبھی مرزا غلام احمد قادیانی جیسی بھونڈی اور غلط عربی لکھنے والے شخص کو نبی نہیں مان سکتا۔ اس کے علاوہ عرب مرزائیت سے صرف مذہباً ہی متنفر نہیں بلکہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابلے میں ایک دیسی نبی کے اٹھنے سے ان کی رگِ عربیت کو بھی ضرب لگتی ہے یہی وجہ ہے کہ عرب ریاستیں پاکستان کو ایک قادیانی یا نیم قادیانی مملکت سمجھ کر ہم سے روز بروز دور ہونے لگیں۔ اس افسوسناک صورتِ حال کا جتنی جلدی تدارک کیا جائے اتنا ہی یہ ہمارے حق میں بہتر اور مفید ہو گا۔

مسلم ریاستوں اور خصوصاً عرب ممالک کے ساتھ تعلقات بڑھانے کے لیے عربی زبان میں لٹریچر تیار کرنے کی بھی اشد ضرورت ہے۔ اس معاملہ میں بھی ہم سے زبردست کوتاہی ہوئی ہے امیر جماعتِ اسلامی مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی نے اس سلسلہ میں پچھلے دنوں ایک بصیرت افروز بیان دیا ہے ہم یہاں اُس کے اقتباسات نقل کرتے ہیں جن سے صورتِ حال کا صحیح اندازہ ہو سکتا ہے۔ وہ فرماتے ہیں:

"میں نے مشرقِ وسطیٰ میں محسوس کیا ہے کہ وہاں پاکستان کا پروپیگنڈا نہیں کیا جاتا۔ میں نے چار بار مشرقِ وسطیٰ کا سفر کیا ہے اور ہر سفر میں میرے تاثرات اور بھی زیادہ شدت اختیار کرتے گئے۔ عرب ملکوں میں اس لیے بھی پاکستان کا اثر و رسوخ نہیں کہ وہاں پاکستان کے سفارتخانے سرگرمِ عمل نہیں۔ اس کے برعکس بھارتی سفارت خانوں نے وہاں پروپیگنڈا پر اپنی تمام قوت صرف کر دی ہے۔ بھارت میں آزادی سے قبل اور آزادی کے بعد مسلمانوں پر جو مظالم ڈھائے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

گئے۔ ان کی رُوداد عربی زبان میں شائع کرنے کی طرف توجہ نہیں دی گئی۔ یہاں تک کہ عرب ممالک کے تعلیم یافتہ، بااثر افراد اور سربراہوں تک کو صحیح صورتِ حال کا علم نہیں۔

"اس کے برعکس بھارت عربی زبان میں وسیع پیمانے پر پروپگنڈا کر رہا ہے۔ ہر عرب ملک کے کسی بھی بک ڈپو میں ٹیگور، گاندھی، نہرو اور دوسرے ہندو لیڈروں اور ادیبوں کی کتابیں عربی زبان میں عام مل جاتی ہیں۔ اس کے برعکس پاکستان کے بارے میں ایک کتاب بھی نہیں ملتی۔ بھارت نے عرب مسلمان ادیبوں سے خوب کام لیا جبکہ پاکستان میں حکومت کرنے والوں کے نزدیک صرف مُلّا ہی عربی داں ہے۔ یہاں عرب ادیبوں سے کام لینا تو درکنار پاک سفارت خانوں میں عربی بولنے والا عملہ نہیں ہوتا۔"

"ہمارے ملک کے نظامِ تعلیم میں عربی کو اب تک وہ حیثیت نہیں دی گئی جس کی وہ مستحق ہے۔ ہمارے "صاحب لوگ" عربی کو محض مُلّاؤں کی زبان قرار دیتے ہیں۔ ان کو یہ معلوم نہیں کہ خلیج فارس سے بحر اطلانتک تک سترہ عرب ملکوں کی یہ قومی زبان ہے اور ان میں سے اکثر اقوامِ متحدہ کے ممبر بھی ہیں۔ ان ریاستوں کو ہر طرح کے قابل آدمیوں کی ضرورت ہے جن میں ڈاکٹر، انجینئر، ماہرینِ زراعت اور مختلف علوم و فنون کے ماہر شامل ہیں۔ اگر ہمارے تعلیمی اداروں میں عربی زبان کو، دوسری یا تیسری زبان کے طور پر بھی رائج کر دیا جاتا اور عربی داں ماہرین تیار کیے جاتے تو ہم ان عرب ملکوں کو مطلوبہ ماہرین فراہم کر سکتے تھے لیکن یہ موقع بھی ہمارے ہاتھ سے نکلتا جا رہا ہے۔ حالانکہ اگر اس سے فائدہ اٹھانے کی کوشش کی جاتی تو ان ملکوں میں ہمارے لیے بڑی خیر سگالی پیدا ہو سکتی تھی۔

اسی ضمن میں مولانا نے حج کے بارے میں حکومت کی غلط پالیسی پر بحث کرتے ہوئے ارشاد فرمایا ہے:

"(حج کے لیے) کوٹہ سسٹم کسی غیر مسلم ملک نے بھی نافذ نہیں کیا۔ جبکہ ہمارے ہاں حج پالیسی کی بنیاد ہی کوٹہ سسٹم پر ہے۔ اس طرح پاکستان کے عازمینِ حج کو زرِ مبادلہ بھی کم دیا جاتا ہے جس سے پاکستان کے عازمینِ حج ہر لحاظ سے دوسرے عازمینِ حج کے مقابلے میں اپنے آپ کو

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کم تر محسوس کرتے ہیں۔ اس کے مقابلے میں بھارت ایک غیر مسلم ملک ہے جس کے بارے میں ہم دنیا کو یقین دلا رہے ہیں کہ وہاں مسلمانوں پر مظالم توڑے جا رہے ہیں اور یہ حقیقت بھی ہے لیکن پاکستان کے مقابلے میں بھارت سے زیادہ عازمین حج آتے ہیں اور وہ ہماری نسبت زیادہ بہتر حالت میں ہوتے ہیں۔ یہ ایک ایسی چیز ہے جو ہر سال دنیا کے طول و عرض سے آنے والے مسلمانوں کے سامنے آتی ہے اور ہمارے ان تمام بیانات و اعلانات کی تردید کرتی رہتی ہے جو ہم بھارت میں مسلمانوں پر ظلم و ستم کے بارے میں جاری کرتے رہتے ہیں۔ ہمارے ارباب اختیار میں سے آج تک کسی نے یہ سوچنے کی زحمت گوارا نہیں کی کہ اس طرح خواہ لاکھوں اور کروڑوں روپے کا زرمبادلہ بچا لیا جائے، پاکستان کو پہنچنے والے فوائد سے نقصانات کہیں زیادہ ہوں گے۔"

اقتباسات ذرا طویل ہو گئے ہیں لیکن ہم نے یہ تفصیلات اس لیے پیش کی ہیں کہ آپ صحیح صورت حال کا جائزہ لیکر اصلاحِ احوال کی کوئی موثر کوشش کر سکیں۔ یہ کوئی اخباری خبریں نہیں جنہیں دشمن کا جھوٹا پروپگنڈہ کہکر نظر انداز کیا جا سکے۔ یہ دورِ حاضر کے ایک بہت بڑے مبصر اور خادمِ دین کی تصریحات ہیں جس نے خود عرب ممالک میں چل پھر کر اپنی آنکھوں سے حالات کا مشاہدہ کیا ہے۔

امریکہ اور برطانیہ کی بد عہدیوں سے ہمیں بلاشبہ زبردست نقصان پہنچا ہے لیکن یہ نقصان بھی ہمارے لیے مفید ہو سکتا ہے اگر یہ چوٹ ہمیں خوابِ غفلت سے بیدار کرنے میں کامیاب ہو جائے۔ دشمن کی فریب کاریاں اور عیاریاں ہمارا کچھ نہ بگاڑ سکتیں اگر ہم بیدار مغز ہوتے اور صورتِ حال کو صحیح طور پر سمجھنے کی قابلیت اور صلاحیت رکھتے۔ آج ہم دوستوں کے جھرمٹ میں رہکر بھی اپنے آپ کو بالکل اجنبی پاتے ہیں اور معاہدوں کی جکڑ بندیوں میں جکڑ کر بھی اپنے آپکو بے یار و مددگار محسوس کرتے ہیں۔ ہم پر بے بسی کا عالم طاری ہے۔ خدا کرے کہ ہماری یہ افسوسناک حالت ہماری آنکھیں کھول سکے اور ہم غیروں پر بھروسہ کرنے کی بجائے اپنے خدا پر اعتماد کرنا سیکھیں اور دوسروں کی امداد پر جینے کی بجائے اپنی دنیا خود آباد کرنے کی فکر کریں۔

(باقی صفحہ ۱۶۱ پر)

© rasailojaraid.com